ایک گھنٹہ نہیں، آدھ گھنٹہ پہلے دس لاکھ کا آدمی تھا۔ جی ہاں دس لاکھ! مگر اس وقت فاقہ مست ہوں، نہیں دیوالیہ ہوں! مجھے بینک کا دو لاکھ دینا ہے جس مکان میں رہتا ہوں وہ اب میرا نہیں ہے۔ جس برتن میں کھاتا ہوں وہ بھی اب میرا نہیں ہے۔ بینک سے میں نکال دیا جاؤں گا جس کھنّا کو دیکھ کر لوگ جلتے کٹتے وہ کھنا اب خاک میں مل گیا ہے۔ سوسائٹی میں اب میرا کوئی درجہ نہیں ہے میرے احباب اب مجھے اپنی عقیدت کا نہیں، بلکہ اپنے رحم کا مستحق سمجھیں گے میرے دشمن مجھ سے جلیں گے، نہیں، بلکہ مجھ پر ہنسیں گے۔ آپ نہیں جانتے مسٹر مہتا! میں نے اپنے اصولوں کا کتنا خون کیا ہے۔ کتنی رشوتیں دی ہیں، کتنی رشوتیں لی ہیں۔ کسانوں کی اکھیہ تولنے کے لئے کیسے آدمی رکھے، کیسے نقلی باٹ رکھے۔ کیا کیجئے گا یہ سب سن کر؟ مگر کھنا اپنی یہ درگت کرانے کے لئے کیوں زندہ رہے؟ جو کچھ ہونا ہے ہو، دنیا جتنا چاہے ہنسے، احباب جتنا چاہیں افسوس کریں، لوگ جتنی گالیاں دینا چاہیں دیں، کھنا اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنے کانوں سے سننے کے لئے زندہ نہ رہے گا۔ وہ بے حیا نہیں ہے، بے غیرت نہیں ہے!"

یہ کہتے کہتے کھنا دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ کر زار و قطار رونے لگے۔

مہتا نے انھیں سینے سے لگا کر غمگین لہجے میں کہا "کھنا جی، ذرا صبر سے کام لیجئے۔ آپ سمجھ دار ہو کر دل اتنا چھوٹا کرتے ہیں۔ دولت سے آدمی کو جو وقار ملتا ہے وہ اس کا وقار نہیں بلکہ اس کی دولت کا وقار ہے۔ آپ مفلس رہ کر بھی دوستوں کی عقیدت کے مستحق رہ سکتے ہیں۔ اور دشمنوں کی بھی، بلکہ تب کوئی آپ کا دشمن رہے گا ہی نہیں۔ آیئے گھر چلیں۔ ذرا آرام کر لینے سے آپ کا دل ٹھہر جائے گا۔"

کھنّا نے کوئی جواب نہ دیا۔ تینوں آدمی چوراہے پہنچے۔ موٹر کھڑا تھا۔ دس منٹ میں کھنّا کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔

کھنّا نے اتر کر سکون کے لہجے میں کہا: "موٹر آپ لے جائیں، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

مالتی اور مہتا بھی اتر پڑے۔ مالتی نے کہا: "تم چل کر ذرا آرام سے لیٹو، ہم بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔ گھر جانے کی تو ایسی کوئی عجلت نہیں ہے۔"

کھنّا نے ممنونیت سے ان کی طرف دیکھا اور بھرے ہوئے گلے سے بولے: "مجھ سے جو خطائیں ہوئیں ہیں انھیں بخش دینا، مالتی! تم اور مہتا بس اور دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم دونوں مجھے اپنی نظروں سے نہ گراؤ گے۔ شاید دس پانچ دن میں یہ کوٹھی بھی چھوڑنی پڑے قسمت نے کیسی دغا کی!"

مہتا نے کہا: "میں آپ سے سچ کہتا ہوں کھنّا جی کہ آج میری نظروں میں جو آپ کی وقعت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔"

تینوں آدمی کمرے میں گئے۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پاتے ہی گوبندی اندر سے آکر بولی: "کیا آپ لوگ وہیں سے آرہے ہیں؟ مہراج تو بڑی بری خبر لایا ہے۔"

کھنّا کے دل میں ایسا زبردست اور نہ رکنے والا طوفانی جوش اٹھا کہ وہ گوبندی کے پیروں میں گر پڑا۔ اور انھیں آنسوؤں سے تر کر دیں۔ بھرے گلے سے بولے "ہاں پیاری، ہم تباہ ہو گئے!"

ان کا بے حس، مایوس اور مجروح دل تسکین کے لئے بے قرار ہو رہا تھا، سچی اور محبت میں ڈوبی ہوئی تسکین کے لئے اس مریض کی طرح جو زندگی

کی قوت مائل ہو جانے پر بھی طبیب کے چہرے کی طرف آس بھری آنکھوں سے تاک رہا ہو۔ وہی گوبندی جس پر انھوں نے ہمیشہ ظلم کیا، جسے ہمیشہ ذلیل کیا، جس سے ہمیشہ بیوفائی کی، جیسے ہمیشہ زندگی کا بار سمجھا، جس کی موت کے ہمیشہ خواہشمند رہے وہی اس وقت گویا اپنے آنچل میں دعا اور شگون اور تحفظ لئے ہوئے ان پر نچھاور کر رہی تھی، گویا اس کے قدموں میں ہی ان کی زندگی کا بہشت تھا، گویا وہ ان کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر ہی ان کی بے جان رگوں میں پھر خون کی گردش قائم کر دے گی! دل کی اس کمزور حالت میں اس بھاری مصیبت میں گویا وہ انھیں گلے سے لگا لینے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ کشتی پر بیٹھ کر آبی سیر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہم جن چٹانوں کو خطرناک سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی انھیں کھود کر پھینک دے، ان ہی چٹانوں سے کشتی کے ٹوٹ جانے پر ہم بے اختیار لپٹ جاتے ہیں۔

گوبندی نے انھیں ایک صوفے پر بٹھا دیا اور محبت بھرے لہجے میں بولی: "تو تم اتنا دل کیوں چھوٹا کرتے ہو؟ دھن کے لئے جو سارے پاپوں کی جڑ ہے؟ اس دھن سے ہمیں کیا سکھ تھا؟ سویرے سے آدمی رات تک ایک نہ ایک جھنجھٹ، آتما کی تباہی اور بربادی! بچے تم سے بات کرنے کو ترس جاتے تھے، تمھیں رشتہ داروں کو خط لکھنے تک کی فرصت نہ ملتی تھی۔ کیا بڑی عزت تھی؟ ہاں تھی، کیونکہ دنیا آج کل دھن کی پوجا کرتی ہے اور سدا کرتی چلی آئی ہے۔ اس کو تم سے کوئی مطلب نہیں۔ جب تک تمھارے پاس لچھمی ہے، تمھارے سامنے دم ہلائے گی اور پھر کل اتنی ہی بھگتی سے دوسروں کے دروازے پر ماتھا رگڑے گی، اور پھر تمھاری طرف تاکے گی بھی نہیں۔ سچا انسان دھن کے آگے سر نہیں جھکاتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ تم

کیا ہو۔ اگر تم میں سچائی ہے، انصاف ہے، تیاگ ہے اور مردانگی ہے تو وہ تمھاری پوجا کرے گا۔ میں جھوٹ تو نہیں کہتی مہتاجی؟"

مہتا نے گویا جنت کے خواب سے چونک کر کہا: جھوٹ؟ وہی کہہ رہی ہیں جو دنیا کے عظیم لوگوں نے زندگی کا ٹھوس تجربہ کرنے کے بعد کہا ہے زندگی کا سچا سہارا یہی ہے۔"

گوبندی نے مہتا کو مخاطب کرکے کہا: "دھنی کون ہوتا ہے اس کا کوئی خیال نہیں کرتا۔ وہی جو اپنی چالاکی سے دوسروں کو بیوقوف بنا سکتا ہے......"

کھنّا نے بات کاٹ کر کہا: "نہیں گوبندی، دھن کمانے کے لئے اپنے میں فطری جوہر چاہیئے صرف چالاکی سے دھن نہیں ملتا۔ اس کے لئے بھی تیاگ اور تپسیا کرنا لازمی ہے۔ شاید اتنی ریاضت سے خدا بھی مل جائے ہماری ساری جسمانی، روحانی اور عقلی طاقتوں کے توازن کا نام دولت ہے۔"

گوبندی نے مخالفت نہ کرتے ہوئے ثالث کے لہجے میں کہا: "میں مانتی ہوں کہ دھن کے لئے تھوڑی تپسیا نہیں کرنی پڑتی، مگر پھر بھی ہم نے اسے زندگی میں اہم چیز سمجھ رکھا ہے اتنی وہ نہیں ہے۔ میں تو خوش ہوں کہ تمھارے سر سے یہ بوجھ ٹلا اب تمہارے لڑکے انسان بنیں گے، خودغرضی اور غرور کے پتلے نہیں۔ زندگی کا سکھ دوسروں کو سکھی کرنے میں ہے۔ انھیں لوٹنے میں نہیں برا نہ ماننا اب تک تمہاری زندگی کا مطلب تھا خودپروری اور عیش کوشی۔ ایشور نے تمہیں ان ذرائع سے محروم کرکے تمھارے لئے زندہ بلند اور پاک زندگی کا راستہ کھول دیا ہے اس کے حصول میں اگر کچھ تکلیف بھی ہو تو اس کا خیر مقدم کرو تم اسے مصیبت سمجھتے ہی کیوں ہو؟ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ تمھیں بے انصافیوں سے لڑنے کا موقع ملا ہے۔ میرے خیال میں تو

ظالم ہونے سے مظلوم ہونا کہیں بہتر ہے۔ دھن کھو کر اگر ہم اپنی آتما کو پا سکیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے۔ انصاف کے سپاہی بن کر لڑنے میں جو عظمت اور راحت ہے کیا اسے اتنا جلد بھول گئے؟

گوبندی کے زرد و خشک چہرے پر جلال کی ایسی چمک تھی گویا اس میں کوئی عجیب طاقت آگئی ہو، گویا اس کی ساری خاموش ریاضت میں گویائی آگئی ہو۔

مہتا اس کی طرف عقیدت سے تاک رہے تھے، سر جھکائے اسی خدائی الہام سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے اور ماتی دل میں نادم تھی گوبندی کے خیالات کتنے بلند، اس کا دل کتنا کشادہ اور اس کی زندگی کتنی روشن ہے!

(۲۹)

نہری ان عورتوں میں نہ تھی جو نیکی کر کے دریا میں ڈال دیتی ہیں۔ اس نے نیکی کی ہے تو اس کا خوب ڈھنڈورا پیٹے گی اور اس سے جتنی نیک نامی مل سکتی ہے اس سے کچھ زیادہ ہی پانے کے لئے ہاتھ پیر مارے گی ایسے آدمی کو نیک نامی کے عوض بدنامی ہی ملتی ہے نیکی نہ کرنا بدنامی کی بات نہیں۔ اپنی خواہش یا اپنے میں سکت؟ نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی ہمیں برا نہیں کہہ سکتا۔ مگر جب ہم نیکی کر کے اس کا احسان جتاتے ہیں تو وہی شخص جس کے ساتھ ہم نے نیکی کی تھی، ہمارا دشمن ہو جاتا ہے اور ہمارے احسان کو مٹا دینا چاہتا ہے۔ وہی نیکی اگر کرنے والے کے دل میں رہے تو نیکی ہے۔ اور باہر نکل آئے تو بدی ہے۔ نہری چاروں طرف کہتی پھرتی تھی "بچارا ہوری بڑی بپتا میں تھا، بیٹی کے بیاہ کے لئے کھیت رہن رکھ رہا ہے۔ میں نے اس کی یہ دساد دیکھی تو مجھے دیا آگئی دھنیا سے تو جی جلتا تھا، وہ رانڈ تو مارے گھمنڈ کے دھرتی پر پاؤں نہیں رکھتی بچارا ہوری چنتا سے گھلا جاتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سنکٹ میں اس کی کچھ مدد کر دوں۔ آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے اور ہوری تو اب کوئی گیر (غیر) نہیں ہے۔ مانو چاہے نہ مانو وہ تمہارے ناتے دار ہو چکے روپئے نکال کر دے دیئے۔ نہیں لڑکی اب تک بیٹھی ہی ہوتی"

دھنیا بھلا یہ ڈینگ کب سننے لگی "روپئے کھیرات (خیرات) دیئے تھے! بڑی کھیرات دینے والی! بیاج مہاجن بھی لے گا اور تم بھی لو گی، پھر احسان کاہے کا؟ دوسروں کو دیتی تو بیاج کی جگہ اصل بھی چلا جاتا، ہم نے لیا ہے تو ہاتھ

میں روپیہ آتے ہی ناک پر رکھ دیں گے۔ ہمیں تھے کہ تمھارے گھر کا بس اٹھا کے پی گئے اور کبھی منہ پر نہیں۔ کوئی یہاں دوارے پر کھڑا نہیں ہونے دیتا تھا۔ ہم نے تمھاری مرجاد بنا دی، تمھارے منہ کی لالی رکھ لی۔"

رات کے دس بج گئے تھے۔ ساون کی اندھیری گھٹا چھائی تھی۔ سارے گانوں میں اندھیرا تھا۔ ہوری نے کھانا کھا کر تمباکو پی اور سونے جا رہا تھا کہ بھولا آکر کھڑا ہو گیا۔

ہوری نے پوچھا کہ "کیسے چلے بھولا مہتو؟ جب اسی گانوں میں رہنا ہے تو الگ کیوں چھوٹا سا گھر نہیں بنا لیتے؟ گانوں میں لوگ کیسی کیسی برائی کرتے ہیں، کیا یہ تمھیں اچھا لگتا ہے؟ برا نہ ماننا، تم سے ناتا ہو گیا ہے اس لئے تمھاری بدنامی نہیں سنی جاتی، نہیں تو مجھے کیا کرنا تھا۔"

دھنیا اسی وقت لوٹے میں پانی لے کر ہوری کے سرہانے رکھنے آئی تھی، سُن کر بولی: "دوسرا مرد ہوتا تو ایسی عورت کا سر کاٹ لیتا۔"

ہوری نے ڈانٹا "کیوں بے بات کی بات بکتی ہے؟ پانی رکھ دے اور جا سو۔ آج تو ہی بُری راہ چلنے لگے تو کیا تیرا سر کاٹ لوں گا؟ تو کاٹنے دیگی۔"

دھنیا اسے پانی کا ایک چھینٹا مار کر بولی: "بُری راہ چلے تمھاری بہن، میں کیوں چلنے لگی؟ میں تو دنیا کی بات کہتی ہوں اور مجھے گالی دینے لگے۔ اب منہ میٹھا ہو گیا ہو گا۔ عورت چاہے جس راہ جائے مرد ٹکر ٹکر دیکھتا رہے! ایسے مرد کو میں مرد نہیں کہتی۔"

ہوری دل میں کٹا جاتا تھا۔ بھولا اس سے اپنا دکھ درد کہنے آیا ہو گا، یہ الٹا اسی پر ٹوٹ پڑی۔ ذرا گرم ہو کر بولا: "تو جو سارے دن اپنے ہی من کی کیا کرتی ہے تو میں تیرا کیا بگاڑ لیتا ہوں؟ کچھ کہتا ہوں تو کاٹنے دوڑتی ہے۔

یہی سوچ !"

دھنیا نے چاپلوسی کرنا نہ سیکھا تھا بولی "عورت گھی کا گھڑا ڈھلکا دے گھر میں آگ لگا دے تو یہ سب مرد سہ لے گا، مگر اس کا بدراہ چلنا کوئی مرد نہ سہے گا۔"

بھولا غمگین لہجے میں بولا: "تو بہت ٹھیک کہتی ہے۔ دھنیا بیٹک مجھے اس کا سر کاٹ لینا چاہیئے تھا۔ لیکن اب اتنا بوتہ نہیں رہا۔ تو چل کر سمجھا دے، تو سب کچھ کر کے ہار گیا۔"

"جب عورت کو بس میں رکھنے کا بوتا نہ تھا تو سگائی کیوں کی تھی؟ اس چھیچھا لیدر کے لئے؟ کیا سوچتے تھے کہ وہ آکر تمہارے پاؤں دبائے گی تمہیں چلم بھر بھر کے پلائے گی اور جب تم بیمار پڑو گے تو تمہاری سیوا ٹہل کرے گی۔ تو ایسا وہی عورت کر سکتی ہے جس نے تمہارے ساتھ جوانی کا سکھ اٹھایا ہو میری سمجھ میں یہی نہیں آتا کہ تم اسے دیکھ کر لٹو کیسے ہو گئے دیکھ تو لیا ہوتا کہ وہ کس سبھاؤ کی ہے، کس رنگ ڈھنگ کی ہے تو تم بھوکے سیار (گیدڑ) کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اب تو تمہارا دھرم یہی ہے کہ گنڈاسے سے اس کا سر کاٹ لو۔ پھانسی ہی تو پاؤ گے۔ اس چھیچھا لیدر سے پھانسی اچھی!

بھولا کے خون میں کچھ گرمی آگئی بولا: "تو تمہاری یہی صلاح ہے؟"

دھنیا بولی "ہاں میری یہی صلاح ہے اب سو پچاس برس تو جیو گے نہیں، سمجھ لینا کہ اتنی ہی عمر تھی۔"

ہوری نے اب کے زور سے پھٹکارا "چپ رہ بڑی آئی ہے وہاں سے ستونتی بن کے! جبردستی (زبردستی) چڑیا تک تو پنجڑے میں رہتی نہیں پھر آدمی کیا رہے گا؟ تم اسے چھوڑ دو بھولا، اور سمجھ لو کہ مر گئی۔ جاکر اپنے بال بچوں میں آرام

رہو دو روٹی کھاؤ اور رام کا نام لو۔ جوانی کے سکھ اب گئے۔ وہ عورت ہے، سو بدنامی اور جلن کے سوا تم اس سے کوئی سکھ نہ پاؤ گے۔"

بھولا نہری کو چھوڑنے ؟ ناممکن! نہری اس وقت بھی اس کی طرف غصہ کی آنکھوں سے تیز تیز دیکھتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ مگر نہیں، بھولا اب اسے چھوڑ دے گا۔ جیسا کر رہی ہے اس کا پھل بھوگے!

آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولا "ہوری بھیّا، اس عورت کے پیچھے میری سانست ہو رہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ اسی کے پیچھے کامتا سے لڑائی ہوئی۔ بڑھاپے میں یہ داگ (داغ) بھی لگنا تھا سو لگ گیا۔ مجھے روج (روز) طعنہ دیتی ہے کہ تمھاری تو لڑکی نکل گئی۔ میری لڑکی نکل گئی چاہے بھاگ کر اپنے آدمی کے ساتھ پڑی تو ہے، اس کے دکھ سکھ کی ساتھن تو ہے ایسی تو میں نے عورت ہی نہیں دیکھی دوسروں کے ساتھ تو ہنستی ہے اور مجھے دیکھ کر کپا سامنہ پھلا لیتی ہے۔ میں گریب (غریب) آدمی ٹھہرا، نین چار آنے روج (روز) کی بجوری (مزدوری) کرتا ہوں تب دو دھ دہی، مانس مچھلی، بڑی ملائی کہاں سے لاؤں؟"

بھولا یہاں سے عہد کر کے اپنے گھر گئے۔ اب بیٹوں کے ساتھ رہیں گے، بہت دھکے کھا چکے۔ مگر دوسرے دن صبح ہوری نے دیکھا ٹھیک نہ سمجھا عشق میں انسان کو خود پر قابو نہیں ہوتا۔ وہاں سے آ کر دھنیا سے بولا "بھولا تو ابھی وہیں ہیں۔ نہری نے سچ مچ ان پر کوئی جادو کر دیا ہے۔"

دھنیا نے ناک سکیڑ کر کہا "جیسی بے حیا وہ ہے ویسا ہی بے حیا یہ ہے۔ ایسے مرد کو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے۔ اب وہ سیکھی (شیخی) نہ جانے کہاں گئی۔ دھنیا یہاں آئی تو اس کے لئے ڈنڈا لئے پھر رہے تھے۔

مرجاد چلی جاتی تھی۔ اب مرجاد نہیں جاتی ۔"

ہوری کو بھولا پر رحم آ رہا تھا۔ بے چارا اس ہرجائی کے پھیر میں پڑ کر اپنے کو برباد کئے ڈالتا ہے۔ چھوڑ کر جائے بھی تو کیسے؟ عورت کو اس طرح چھوڑ کر جانا کیا سہل ہے؟ وہ چڑیل اسے وہاں بھی تو چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔ کہیں پنچایت کرائیگی کہیں روٹی کپڑے کا دعویٰ کرے گی۔ ابھی تو گاؤں کے ہی لوگ جانتے ہیں۔ کسی کو کچھ کہتے سوچ ہوتا ہے۔ کانا پھوسی کر کے ہی رہ جاتے ہیں تب تو دنیا بھی بھولا ہی کو برا کہے گی۔ لوگ یہی تو کہیں گے کہ جب مرد نے چھوڑ دیا تو بے چاری عورت کیا کرے؟ مرد برا ہو تو عورت کی گردن کاٹ لے گا، عورت بری ہو تو مرد کے منہ میں کالکھ لگا دے گی ۔"

اس کے دو مہینے بعد ایک روز گاؤں میں یہ خبر پھیلی کہ نہری نے مارے جوتوں کے بھولا کی چاند گنجی کر دی۔ برسات ختم ہو گئی تھی اور ربیع بونے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہوری کی اکھ تو نیلام ہو گئی تھی۔ بیج کے لئے اسے روپئے نہ ملے اور اکھ نہ بوئی جا سکی۔ ادھر دہنا بیل بھی بیٹھان لینے کو تھا اور ایک نئے بیل کے بغیر کام نہ چل سکتا تھا۔ پنیا کا ایک بیل نالے میں گر کر مر گیا تھا، اس وقت سے اور بھی دقت پڑ گئی تھی۔ ایک دن پنیا کے کھیت میں ہل جاتا تو ایک دن ہوری کے کھیت میں۔ کھیتوں کی جتائی جیسی چاہیئے تھی، نہ ہو پائی تھی۔

ہوری ہل لے کر کھیت میں گیا، مگر بھولا کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی یہ نہ سنا تھا کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کو جوتوں سے مارا ہو۔ جوتوں سے کیا، تھپیڑ یا گھونسے مارنے کا بھی کوئی واقعہ اسے یاد نہ آتا تھا۔ مگر آج نہری نے بھولا کو جوتوں سے پیٹا اور سب لوگوں نے تماشا دیکھا۔ اس عورت سے کیسے اس ابھاگے کا گلا چھوٹے؟ اب تو بھولا کو

کہیں ڈوب ہی مرنا چاہیئے۔ جب جندگی (زندگی) میں بدنامی اور درگت کے سوا اور کچھ نہ ہو تو آدمی کا مرجانا ہی اچھا۔ کون بھولا کے نام کو رونے والا بیٹھا ہے۔ بیٹے چاہے کریا کرم کردیں سو وہ بھی دنیا کی لاج کے کارن، آنکوسی کی آنکھ میں نہ آئے گا۔ موہ کے بس میں پڑکر آدمی اس طرح اپنے کو چوپٹ کرتا ہے۔ جب کوئی رونے والا ہی نہیں تو پھر جینے کا کیسا موہ اور مرنے سے کیسا ڈر؟

ایک یہ نہری ہے اور ایک یہ چمارن ہے سلیا! دیکھنے سننے میں اس سے لاکھ درجہ اچھی۔ چاہے تو دو کو کھلا کر کھائے اور رادھا بنی گھومے، لیکن مجوری کرتی ہے، بھوکوں مرتی ہے اور پتی کے نام پر بیٹھی ہے اور وہ بیدرد بات بھی نہیں پوچھتا۔ کون جانے، دھنیا مرگئی ہوتی تو آج ہوری کی بھی یہی دسا ہوتی۔ اس کی موت کے خیال ہی سے ہوری کے رونگٹے کھڑے ہوگئے دھنیا کی خیالی شکل آنکھوں کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی، سیوا اور تیاگ کی دیوی، زبان کی تیز مگر موم جیسا دل رکھنے والی پیسے پیسے کے لئے جان دینے والی مگر آبرو بچانے کے لئے اپنا سب کچھ دے دینے کو تیار! جوانی میں وہ کم سندر نہ تھی۔ نہری اس کے سامنے کیا ہے؟ چلتی تھی تو رانی سی لگتی تھی جو دیکھتا تھا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ یہی پنیشوری اور جھنگری تب جوان تھے۔ دونوں دھنیا کو دیکھ کر سینے پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ دروازے کے سو سو چکر لگاتے تھے۔ ہوری ان کی تاک میں رہتا تھا مگر چھیڑنے کا کوئی حیلہ نہ پاتا تھا۔ اس وقت گھر میں کھانے پینے کی بڑی تکلیف تھی۔ پالا پڑ گیا تھا اور کھیتوں میں بھوسا تک نہ ہوا تھا لوگ جھر بیریاں کھا کھا کر دن کاٹتے تھے۔ ہوری کو قحط کے کیمپ میں کام کرنے جانا پڑتا تھا۔ چھ پیسے روزانہ ملتے تھے۔ دھنیا گھر میں

اکیلی رہتی تھی مگر کبھی کسی نے اس کو کسی مرد کی طرف تاکتے نہیں دیکھا۔ پٹیشوری نے ایک بار کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی تو اس کا ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ لالہ آج تک نہیں بھولے۔

دفعتاً اس نے ماتادین کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ کسائی (قصائی) کہیں کا! کیسا تلک لگائے ہوئے ہے جیسے بھگوان کا پورا بھگت ہے۔ رنگا سیار! ایسے بامھن کو پالاگن کون کرے؟

ماتادین نے قریب آکر کہا "تمھارا دامہنا بیل تو بوڑھا ہوگیا، ہوری! اب کی سینچائی میں نہ ٹھہرے گا۔ اس کو لائے کوئی پانچ سال ہوئے ہوں گے؟"

ہوری نے بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا "کیسا پانچواں؟ آٹھواں سال چل رہا ہے، بھائی! جی تو چاہتا ہے کہ اسے پنسن دے دوں، پر کسان کو اور کسان کے بیل، ان کو جمراج (فرشتۂ اجل) پنسن دے دیں تو ملے۔ اس کی گردن پر جوار کھتے میرا من موستا ہے بے چارا سوچتا ہوگا کہ اب بھی چھٹی نہیں، اب کیا میرا ہاڑ جوتے گا کیا؟ پر اپنا کوئی بس نہیں ہے۔ تم کیسے چلے؟ اب تو جی اچھا ہے؟"

ماتادین ادھر ایک مہینے سے فصلی بخار میں پڑا ہوا تھا۔ ایک دن تو اس کی نبض چھوٹ گئی تھی اور چارپائی سے نیچے اتار دیا گیا تھا۔ اس وقت سے اس کے دل میں یہ تحریک ہوئی تھی کہ سلیا پر ظلم کرنے کی اسے یہ سزا ملی ہے۔ جب اس نے سلیا کو گھر سے نکالا تب وہ حاملہ تھی۔ اسے ذرا بھی رحم نہ آیا۔ پورے حمل کے ساتھ بھی وہ مزدوری کرتی رہی۔ اگر دھنیا نے اس پر ترس نہ کھایا ہوتا تو مرگئی ہوتی، کیسی کیسی مصیبتیں جھیل کر جی رہی ہے۔

مزدوری بھی تو اس حالت میں نہیں کر سکتی۔ اب نادم اور نرم ہو کر وہ سلیا کو ہوری کی معرفت دو روپئے دینے آیا ہے۔ اگر ہوری یہ روپئے اسے دے دے تو اس کا بڑا احسان مانے گا۔

ہوری نے کہا "تمھیں جا کر کیوں نہیں دے دیتے؟"

مانادین نے عاجزی سے کہا "مجھے اس کے پاس نہ بھیجو، ہوری مہتو! کونسا منہ لے کر جاؤں؟ ڈر بھی لگ رہا ہے کہ مجھے دیکھ کر کہیں ڈانٹنے نہ لگے تم مجھ پر اتنی مہربانی کرو۔ ابھی مجھ سے چلا نہیں جاتا مگر اسی روپئے کے لئے ایک ججمان کے پاس کوس بھر دوڑا گیا تھا۔ اپنی کرنی کا پھل بہت بھوگ چکا۔ اس بامھن ہونے کا بوجھ اب نہیں اٹھائے اٹھتا چھپ کر جا ہے کرم کرو کوئی نہیں بولتا مگر کھل کر کچھ نہیں کر سکتے، نہیں تو کل (خاندان) میں کلنگ لگ جائے گا۔ تم اسے سمجھا دینا دادا! پرادھ چھما کر دے۔ یہ دھرم کا بندھن بہت کڑا ہوتا ہے جس سماج میں پیدا ہوئے اور پلے اس کی مرجاد تو بنا ہنی ہی پڑتی ہے۔ اور کسی جات کا دھرم بگڑ جائے تو اس کا کچھ بہت نہیں بگڑتا مگر بامھن کا دھرم بگڑ جائے تو وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ اس کا دھرم ہی اس کے پرکھوں کی کمائی ہے۔ اسی کی وہ روٹی کھاتا ہے اس پراچیت کے پیچھے ہمارے تین سو روپئے بگڑ گئے تو جب بے دھرم ہی ہو کر رہنا ہے تو پھر جو کچھ کرنا ہے وہ کھل کے کروں گا۔ سماج کے ناتے ہوری کا اگر کچھ دھرم ہے تو آدمی کے ناتے بھی تو اس کا کچھ دھرم ہے۔ سماج کا دھرم رکھے سے سماج آدر کرتا ہے مگر آدمی کا دھرم رکھنے سے تو ایشور پرس (خوش) ہوتا ہے۔

شام کو جب ہوری نے سلیا کو ڈرتے ڈرتے روپئے دیئے تو وہ جیسے اپنی ریاضت کا ثمر پا گئی۔ دکھ کا بوجھ تو وہ اکیلی اٹھا سکتی تھی مگر سکھ کا بوجھ تو تنہا

نہیں اٹھتا۔ کیسے یہ خوش خبری سنائے ؟ دھنیا سے وہ اپنے دل کی باتیں نہیں کہہ سکتی۔ گانوں میں اور کوئی نہیں جس سے اس کا کافی ربط وضبط ہو۔ اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ سونا ہی اس کی سہیلی تھی۔ سلیا اس سے ملنے کے لئے بے چین ہوگئی۔ رات بھر کیسے صبر کرے ؟ دل میں ایک آندھی سی اُٹھ رہی تھی اب وہ بیکس نہیں ہے۔ ماتادین نے اس کی باہ پھر پکڑ لی ہے۔ زندگی کے راستے میں اس کے سامنے اب خوفناک منہ والی اندھیری خندق نہیں ہے، بلکہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا میدان ہے جس میں جھرنے اپنا سہاؤنا گیت گاتے ہیں اور ہرن کلیلیں کر رہے ہیں اس کی روٹھی ہوئی محبت آج سرمست ہوگئی ہے ماتادین کو اسی نے دل میں کتنا پانی پی پی کر کوسا تھا اب وہ ان سے چھما مانگے گی۔ اس سے سچ مچ بڑی بھول ہوئی کہ اس نے سارے گانوں کے آگے ان کی ہتک کی۔ وہ تو چمارن ہے، جات کی کم، اس کا کیا بگڑا۔ آج دس بیس لگاکر برادری کو روٹی دے دے تو پھر برادری میں ہو جائے گی ان بیچارے کا تو سدا کے لئے دھرم ہی ناس ہوگیا وہ مرجاد اب انھیں پھر نہیں مل سکتی۔ وہ اس میں کتنی اندھی ہوگئی تھی کہ سب سے ان کے پریم کا ڈھنڈورا پیٹتی پھری ان کا تو دھرم بگڑ گیا تھا، انھیں تو رس تھی ہی، پر اس کے سر پر کیوں بھوت سوار ہوگیا ؟ وہ اپنے ہی گھر چلی جاتی تو کون برائی ہو جاتی ؟ گھر میں اسے کوئی باندھ تو نہ لیتا ؟ ماتادین کی سب اسی لئے تو پوجا کرتے ہیں کہ وہ نیم دھرم سے رہتے ہیں، تو وہی دھرم جب نہ رہ گیا تو وہ کیوں نہ اس کے لہو کے پیاسے ہو جاتے ؟

ذرا دیر پہلے تک اس کی نگاہوں میں سارا قصور ماتادین کا تھا، اور اب سارا قصور اپنا تھا۔ ہمدردی نے ہمدردی پیدا کر دی تھی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ اب اسے دیکھ کر ندامت و پشیمانی نہیں ہوتی۔

وہ اب صرف اس کے رحم کا مستحق نہیں اب اس کی پوری مادرانہ محبت کا مستحق ہے۔

کاتک کی روپہلی چاندنی ساری فضا پر کسی میٹھے راگ کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ سلیا گھر سے نکلی۔ وہ سونا کے پاس جاکر اسے یہ مژدہ سنائے گی اب اس سے نہیں رہا جاتا۔ ابھی تو شام ہوئی ہے۔ ڈونگی اس پار تھی اور ملاح کا کہیں پتہ نہیں۔ چاند گھل کر جیسے ندی میں بہا جا رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کھڑی سوچتی رہی پھر ندی میں گھس پڑی۔ ندی میں کچھ ایسا زیادہ پانی تو کیا ہوگا۔ اس خوشی کے سمندر کے آگے ندی کیا چیز تھی۔ پانی پہلے تو گھٹنوں تک تھا پھر کمر تک آیا اور آخر گلے تک پہنچ گیا۔ سلیا ڈری کہ کہیں ڈوب نہ جائے۔ کہیں کوئی گڑھا نہ پڑ جائے مگر اس نے جان پر کھیل کر پیر آگے بڑھایا اب وہ منجدھار میں ہے موت اس کے سامنے ناچ رہی ہے۔ مگر وہ گھبرائی نہیں۔ اسے تیرنا آتا ہے۔ لڑکپن میں وہ کتنے ہی بار اسی ندی میں تیر چکی ہے، اور کھڑے کھڑے ندی کو پار بھی کر چکی ہے۔ پھر اس کا دل دھڑک رہا ہے۔ مگر پانی کم ہونے لگا اب کوئی ڈر نہیں ہے اس نے جلد جلد ندی کو پار کیا اور کنارے پہنچ کر اپنے کپڑے نچوڑے اور ٹھنڈ سے کانپتی ہوئی آگے بڑھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ گیدڑوں کی آواز بھی نہ سنائی پڑتی تھی اور سونا سے ملنے کا خوش کن خیال اسے اڑائے لئے جاتا تھا۔

مگر اس گاؤں میں پہنچ کر اسے سونا کے گھر جاتے ہوئے تامل ہونے لگا متھرا کیا کہے گا؟ اس کے گھر والے کیا کہیں گے؟ سونا بھی بگڑے گی کہ اتنی رات گئے تو کیوں آئی۔ دیہاتوں میں دن بھر کے ماندے کسان سر شام ہی سو جاتے ہیں۔ سارے گاؤں میں سوتا پڑ گیا تھا۔ متھرا کے گھر کا دروازہ

بند تھا۔ سلیا اسے نہ کھلا سکی۔ لوگ اسے اس بھیس میں دیکھ کر کیا کہیں گے؟ وہیں دروازے پر الاؤ میں ابھی آگ چمک رہی تھی۔ سلیا اپنے کپڑے سکھانے لگی۔ یکایک دروازہ کھلا اور متھرا نے آکر پکارا۔" ارے کون بیٹھا ہے الاؤ کے پاس؟" سلیا نے جلد ہی آنچل کو سر پر کھینچ لیا اور قریب جاکر بولی۔" میں ہوں سلیا!"

"سلیا! اتنی رات گئے کیسے آئی؟ وہاں تو سب اچھائی بھلائی ہے؟"

"ہاں سب اچھائی بھلائی ہے جی گھبرا رہا تھا، سوچا کہ چلوں سب سے بھینٹ کر آؤں۔ دن کو تو چھٹی ہی نہیں۔"

"تو کیا اپنے آپ ندی پار کر کے آئی ہے؟"

"اور کیسے آتی؟ پانی؟ پانی کم تھا۔"

متھرا اسے اندر لے گیا۔ برٹھے میں اندھیرا تھا۔ اس نے سلیا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ سلیا نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور غصے سے بولی۔" دیکھو متھرا، مجھے چھیڑو گے تو میں سونا سے کہہ دوں گی۔ تم میری چھوٹے بہنوئی ہو، یہ سمجھ لو جان پڑتا ہے کہ سونا سے من نہیں بھرتا۔"

متھرا نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔" تم بڑی بیدرد ہو سلو! اس بھٹ کون دیکھتا ہے؟"

"کیا میں سونا سے سندر ہوں؟ اپنا بھاگ نہیں سراہتے کہ ایسی اندر کی پری پا گئے۔ اب بھونرا بننے کو من چلا ہے اس سے کہہ دوں، تو تمھارا منہ نہ دیکھے۔"

متھرا عیاش نہ تھا۔ سونا سے اسے محبت بھی تھی۔ اس وقت تاریکی اور تخلیہ اور سلیا کا شباب دیکھ کر اس کا جی ڈانوا ڈول ہوا اٹھا تھا۔ یہ تنبیہ پاکر

ہوش میں آگیا۔ سلیا کو چھوڑتا ہوا بولا "تمھارے پیروں پڑتا ہوں سلو۔ اس کو نہ کہنا۔ ابھی جو ڈنڈ چاہو لے لو"

سلو کو اس پر رحم آگیا۔ آہستہ سے اس کے منہ پر چپت جما کر بولی "اس کا ڈنڈ یہی ہے کہ پھر مجھ سے ایسی چھیڑ نہ کرنا اور نہ کسی اور سے کرنا، نہیں تو سونا تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گی"

"میں کسم کھاتا ہوں سلو! کہ اب کبھی ایسا نہ ہوگا"

اس کی آواز میں التجا تھی۔ سلو کا جی بھی ڈانوا ڈول ہونے لگا۔ اس کا رحم پر کیف ہو چلا۔

"اور جو کرو؟"

تو تم جو چاہنا سو کرنا"

سلو کا منہ اس کے منہ کے پاس آگیا تھا۔ اور دونوں کے سانس جسم اور آواز میں لرزش ہو رہی تھی کہ دفعتاً سونا نے پکارا "کس سے باتیں کرتے ہو وہاں؟"

سلو پیچھے ہٹ گئی۔ متھرا آگے بڑھ کر آنگن میں آگیا اور بولا "سلو تمھارے گانوں سے آئی ہے"

سلو بھی پیچھے پیچھے آکر آنگن میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ سونا وہاں کتنے آرام سے رہتی ہے۔ دالان میں چارپائی ہے جس پر سوزنی کا نرم بستر بچھا ہوا ہے، بالکل ویسا ہی مانا دین کی چارپائی پر بچھا رہتا ہے۔ تکیہ بھی ہے اور لحاف بھی۔ چارپائی کے نیچے لوٹے میں پانی رکھا ہوا ہے صحن میں چاندنی نے آئینہ سا بچھا رکھا ہے۔ ایک طرف تلسی کا چبوترا ہے اور دوسری طرف جوار کے ڈنٹھلوں کے کئی بوجھ دیوار کے سہارے رکھے

ہوئے ہیں اور بیچ میں پوال کے گٹھے ہیں۔ پاس ہی اور اوکھلی ہے جس کے پاس کٹا ہوا دھان پڑا ہے۔ کھپریل پر کدو کی بیل چڑھی ہوئی ہے اور کئی کدو بھی دکھائی پڑ رہے ہیں۔ دوسری طرف کے دالان میں ایک گائے بندھی ہوئی ہے۔ اس حصے میں متھرا اور سونا سوتے ہیں اور لوگ دوسرے حصے میں ہوں گے۔ سلیا نے سوچا کہ سونا کی زندگی کتنے آرام کی زندگی ہے۔ سونا اٹھ کر آنگن میں آگئی تھی مگر سلو سے بے اختیار گلے نہیں ملی۔ سلو نے سمجھا کہ شاید متھرا کے کھڑے ہونے کی وجہ سے سونا سوچ کر رہی ہے۔ یا کون جانے اسے اب گھمنڈ ہو گیا ہو، سلو چارن سے گلے ملنے میں اپنی ہتک سمجھتی ہو۔ اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس ملاقات سے خوشی کے بجائے حسد پیدا ہوئی۔ سونا کا رنگ کیسا کھل گیا ہے اور بدن کیسا کنچن سا نکھر آیا ہے۔ گٹھن بھی سڈول ہو گئی ہے۔ چہرے پر گرست پن کی رونق کے ساتھ شباب کی ہنستی ہوئی بہار ہے۔ سلو ایک لمحہ کے لئے گویا مبہوت سی تاکتی ہوئی کھڑی رہ گئی۔ یہ وہی سونا ہے جو سوکھا سا بدن لئے بکھرائے ادھر اُدھر دوڑا کرتی تھی۔ مہینوں سر میں تیل نہ پڑتا تھا۔ پھٹے پرانے جیتھڑے لپیٹے پھرتی رہتی تھی۔ آج اپنے گھر کی رانی ہے۔ گلے میں ہنسلی اور ہمیل، کانوں میں کرن پھول اور سونے کی بالیاں، ہاتھوں میں چاندی کے کڑے اور کنگن، آنکھوں میں کاجل اور مانگ میں سیندور۔ سلیا کی زندگی کا بہشت یہیں تھا۔ اور سونا کو وہاں دیکھ کر وہ خوش نہ ہوئی۔ اسے کتنا گھمنڈ ہو گیا ہے۔ کہاں تو سلیا کے گلے میں بانہیں ڈالے گھاس چھیلنے جاتی تھی اور آج سامنے دیکھتی بھی نہیں۔ اُس نے سوچا تھا کہ سونا اس کے گلے لگ کر ذرا رو دے گی، اسے آدر سے بٹھائے گی، اسے کھلائے پلائے گی اس سے گاؤں گھر کی سینکڑوں باتیں پوچھے گی اور اس سے اپنی نئی زندگی

کے تجربے، سہاگ رات کی کیفیت بیان کرے گی۔ اور یہاں سونا کے منہ میں دہی جما ہوا ہے۔ وہ تو یہاں آکر پچھتائی۔

آخر سونا نے رکھائی سے پوچھا "اتنی رات گئے کیسے چلیں، سلو؟"

سلو نے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا "تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا اتنے دن ہو گئے تو بھینٹ کرنے چلی آئی۔"

سونا کا لہجہ اور سخت ہوا "مگر آدمی کسی کے گھر آتا ہی تو دن کو کہ اتنی رات بیتے؟"

واقعی سونا کو اس کا آنا بُرا لگ رہا تھا۔ یہ وقت اس کے عیش و آرام اور ہنسنے بولنے کا تھا، سلو نے اسی میں دخل دے کر گویا اس کے آگے سی پروسی ہوئی تھالی کھینچ لی تھی۔

سلو ساکت سی بیٹھی ہوئی زمین کی طرف تاک رہی تھی۔ دھرتی کیوں نہیں پھٹ جاتی کہ وہ اس میں سما جائے اتنی ہتک! اس نے اپنی اتنی سی زندگی میں بہت ہتک سہی، بڑی درگت دیکھی تھی مگر آج یہ کانٹا جس طرح اس کے دل میں چبھ گیا تھا ویسی کبھی کوئی اور بات نہ چبھی تھی۔ گڑ گھر کے اندر منکوں میں بند رکھا ہو تو کتنی ہی موسلا دھار بارش ہو۔ پھر بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، مگر جس وقت وہ دھوپ میں سوکھنے کے لئے باہر پھیلایا گیا ہو، تب تو پانی کا ایک چھینٹا بھی اسے بالکل خراب کر دے گا۔ سلیا کے دل کے سارے نازک جذبات اس وقت منہ کھولے ہوئے تھے کہ آسمان سے امرت برسے گا مگر برسا کیا؟ امرت کی جگہ بس، جو سلیا کے روئیں روئیں میں دوڑ گیا۔ اگر زندہ کی طرح لہریں آئیں۔ گھر میں فاقے سے سو رہنا اور بات ہے مگر دعوت کی صف سے اٹھا دیا جانا تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ سلیا کو یہاں ایک لمحہ

ٹھہرنا بھی برا معلوم ہوا۔ جیسے کوئی اس کا گلا دبائے ہوئے ہو۔ وہ کچھ نہ پوچھ سکی۔ سونا کے دل میں کیا ہے اس وقت وہ قیاس کر رہی تھی۔ بل میں بیٹھا ہوا سانپ کہیں باہر نہ نکل آئے، اس کے پہلے ہی وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ کیسے بھاگے؟ کیا بہانہ کرے؟ اس کی جان کیوں نہیں نکل جاتی؟

منھرا نے توشہ خانے کی کنجی اٹھالی کہ سلیا کے ناشتہ کے لئے کچھ نکال لائے، مگر دم بخود سا کھڑا ہوا تھا۔ ادھر سلیا کا سانس معلق تھا، جیسے سر پر ننگی تلوار لٹک رہی ہو۔

سونا کی نظر میں سب سے بڑا گناہ کسی مرد کا دوسری عورت کو اور کسی عورت کا دوسرے مرد کو تاکنا تھا۔ اس خطا کے لئے اس کے پاس کوئی معافی نہ تھی۔ ڈاکہ، قتل، جعل، کوئی جرم اتنا سنگین نہ تھا۔ ہنسی دل لگی کو وہ بُرا سمجھتی تھی، اگر علانیہ ہو، مگر پوشیدہ مذاق کو بھی وہ قابل گرفت سمجھتی تھی بچپن ہی سے وہ بہت سی رواجی باتیں جاننے اور سمجھنے لگی تھی ہوری کو جب کبھی باہر سے گھر آنے میں دیر ہو جاتی تھی اور دھنیا کو پتہ لگ جاتا تھا کہ وہ دلاری کی دوکان پر گیا تھا۔ خواہ تمباکو ہی لینے کیوں نہ گیا ہو۔ تو وہ کئی کئی روز تک ہوری سے بولتی نہ تھی۔ اور نہ گھر کا کوئی کام کاج کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اسی بات پر اپنے میکے بھاگ گئی تھی۔ وہی خیال سونا میں زیادہ ترقی کر گیا تھا۔ جب تک اس کا بیاہ نہ ہوا تھا وہ خیال اتنا زبردست نہ تھا۔ مگر بیاہ ہو جانے کے بعد تو اس میں کافی پختگی اور مضبوطی آگئی تھی ایسے عورتوں مردوں کی اگر کھال بھی کھینچ لی جائے تو اسے رحم نہ آتا تھا۔ عشق کے لئے ازدواجی دائرے کے باہر اس کی نظر میں کوئی جگہ نہ تھی۔ عورت مرد کا ایک دوسرے کے متعلق جو عین فرض ہے اسی کو وہ عشق سمجھتی تھی۔ پھر سلو سے تو اس کا